Vol 4No.2 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

دیہی معاشرت میں ضعیف الاعتقادی اور مذہبی استحصال کا تنقیدی جائزہ(ناول "قید" کی روشنی میں)

A Critical Study Of Credulous Faith And Religious Exploitation In Rural Society (In Context Of Nove "Quaid")

[1]عابد سلیم [2]محمد ریاض عابد

ABSTRACT

Social reflection is such an aspect of Abdullah Hussain's novels as distinguishes him and raises his status in the Urdu novel writing. He has excellently presented the social issues in his novels. The theme of his novel "Qaid" is the ignorance, narrow-mindednes, superstitious attitude and weak-faith in the name of religion. Through Peer Karamat Ali Shah, Peer Jamaat Ali Shah and Salamt Ali Shah, Abdullah Hussain described that how these few people plunder the poor and ignorant while wearing the mask of religion and spiritually. These people take advantage of people's simplicity and innocence to religiously exploit them. Secondly they malign the names of Islam and spiritually. Abdullah Hussain has made this important social issue with it's details the main theme of his novel, "Qaid". Because of the realistic portrayal it is a memorable novel in Urdu fiction despite it's concise account.

عبد اللہ حسین کا ناول "قید" 1989ء میں شائع ہوا۔ وطن عزیز پاکستان کے دیہات میں مذہب کے نام پر پھیلائی جانے والی جہالت، تنگ نظری، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی اس مختصر سے ناول کے اہم موضوعات ہیں۔ ناول کے پلاٹ کی بنیاد عبد اللہ حسین نے جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں پیش آنے والے ایک حقیقی واقعہ پر رکھی ہے۔ اس ناول میں دو موضوع زیر بحث لائے گئے ہیں۔ پہلا حصہ پنجاب کے ایک گاؤں رکھوال کے پیر کرامت علی شاہ کی حیات اور اس کے "کارناموں" پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصہ میں رضیہ سلطانہ، جو رجّو میر کے نام سے جانی جاتی ہے، کی داستان بیان کی گئی ہے۔ کرامت علی شاہ اور رضیہ سلطانہ کے کرداروں کے ذریعے پاکستانی معاشرے میں عوام کے مذہبی اور سماجی مسائل کو پوری جزئیات کے ساتھ "قید" میں بیان کیا گیا ہے۔ ناول کے عنوان پر بحث کرتے ہوئے رضی عابدی قید کو عبد اللہ حسین کے تمام ناولوں میں انسان کی مجبوریوں اور محرومیوں کی علامت قرار دیتے ہیں۔

- پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔
- پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

Vol 4No.2 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"قید عبداللہ حسین کے ہاں ایک مستقل استعارہ ہے۔ یہ انسان کی مجبوریوں اور محرومیوں کی ایک مبہم سی علامت ہے اور یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ ان کی تخلیقی کاوشوں کا محور یہی ایک تصور رہا ہے۔" اداس نسلیں" ایک بہت بڑے کینوس پر اس مسئلہ کو پھیلا کر اس کا جائزہ لینے کی کوشش ہے پھر "باگھ" میں اسی مسئلہ کو محدود کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ "قید" (1989ء) میں یہ تمام کاوش ایک اصل واقعہ پر محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ایک ایسا وحشیانہ واقعہ جس میں مذہب، اعلیٰ اخلاقیات اور تقدس کے نام پر ایک نوزائیدہ بچے کو مسجد کی سیڑھیوں پر پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔"(1)

مختصر ہونے کے باوجود ہمیں ناول میں بہت سے کردار دیکھنے کو ملتے ہیں ان میں مائی سروری، کرامت علی شاہ، سلامت علی شاہ، مولوی احمد شاہ، فیروز شاہ اور رضیہ سلطانہ کے کردار زیادہ اہم ہیں۔ کرامت علی موضع رکھوال کے ایک معمولی زمیندار چوہدری برکت علی کا بیٹا ہے جو جاٹ برادری کی قوم چوہان سے تعلق رکھتا ہے۔ کرامت علی زمانۂ طالب علمی سے ہی چست و چالاک اور پر اعتماد لڑکا ہے جس کا شمار اپنے علاقے میں کبڈی کے بہترین کھلاڑیوں میں ہوتا ہے۔ وہ دماغی اور جسمانی لحاظ سے اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کرنے کے بعد وہ کالج کی پڑھائی کی طرف راغب ہوتا ہے اور اپنے باپ کی خواہش کے برعکس اسلامیہ انٹر کالج لاہور میں داخلہ لیتا ہے۔ کالج میں کرامت علی کی دوستی اپنے بچپن کے ساتھی فیروز شاہ سے اور زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ فیروز شاہ رکھوال کی مسجد کے پیش امام مولوی احمد شاہ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ سکول کی طرح کالج میں بھی کرامت علی اور فیروز شاہ نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں ایک دوسرے کے مدمقابل رہتے ہیں۔ فیروز شاہ اپنی ذہانت اور جسمانی خوبصورتی کی بناء پر ہمیشہ کرامت علی سے آگے رہتا ہے۔ کالج کی سیاسی سرگرمیوں کے دوران دونوں کی ملاقات خواتین کالج کی فعال سیاسی کارکن رضیہ سلطانہ سے ہوتی ہے جو فیروز شاہ کی شخصیت سے متاثر ہو کر اسے دل دے بیٹھتی ہے۔ کرامت علی کو فیروز شاہ کی یہ فتح بہت کھٹکتی ہے مگر دونوں کی دوستی میں کبھی فرق نہیں آتا۔ دونوں کالج کی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور گرفتار کئے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ حوالات میں گزارنے کے بعد کرامت علی کو ضمانت پر رہا کر دیا جاتا ہے۔ کرامت علی کچھ عرصہ گھر گزارنے کے بعد محکمہ جیل میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں ابتدائی ٹریننگ کے بعد اس کی تعیناتی راولپنڈی جیل میں ہو جاتی ہے۔ اس دوران میں پراسرار طور پر فیروز شاہ کی ہلاکت ہو جاتی ہے۔ اکلوتے بیٹے کی موت کا غم مولوی احمد شاہ برداشت نہیں کر پاتا اور دماغی توازن کھو دیتا ہے جس کا عقدہ ناول کے آخر میں واہو تا ہے۔ اس کی بیوی بھی انتہائی کسمپرسی کی حالت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

میں فاقوں سے جان دے دیتی ہے۔ سماج کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کوئی اسے پوچھنے والا نہیں اور وہ بھوکی رہ رہ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتی ہے۔ آخر اسی فاقہ کشی کے عالم میں ہی بیٹے اور شوہر کا صدمہ دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔ رضیہ سلطانہ بھی فیروز شاہ کی وفات کے بعد کہیں نظر نہیں آتی۔ اس کی ماں کی وفات اور باپ کی بیماری کا سن کر کرامت علی اس کے گھر جاتا ہے مگر رضیہ سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی۔ وقت اس طرح گزر تا رہتا ہے کرامت علی شادی کے بعد لاہور تعینات ہو جاتا ہے جہاں اس کے ہاں ایک بیٹے کی پیدائش ہوتی ہے۔ جس کا نام وہ سلامت علی رکھتا ہے۔ جیل میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوتا ہے کہ کرامت علی جنسی طاقت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد کرامت علی سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ گاؤں لوٹ آتا ہے اور بالکل نئے ڈھب سے زندگی کی شروعات کرتا ہے۔ کرامت علی کی زندگی کا یہ رنگ گاؤں والوں کے لیے بہت حیران کن ہے۔ وہ خود کو مسجد تک محدود کر لیتا اور ہر وقت یاد اللہ میں مگن رہتا ہے۔ نماز، روزہ، تسبیح اور وظیفہ اس کی زندگی کا لازمی حصہ بن جاتا ہے۔

کرامت علی کے اس طریقہ کار میں پہلی دفعہ تبدیلی اس وقت دیکھنے میں آتی ہے جب ایک عورت اپنے مرتے ہوئے بچے کو لے کر مسجد آ جاتی ہے اور روتی گڑگڑاتی ہوئی کرامت علی کے سامنے جا کھڑی ہوتی ہے۔ اس گاؤں کے لوگوں کی مذہب سے برائے نام وابستگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عورت کے مسجد میں داخلے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ اس ضعیف الاعتقادی کے باعث وہ بڑی آسانی کے ساتھ مذہب کے نام پر جذباتی ہو کر نام نہاد مذہبی پیشواؤں کے دام میں آ جاتے ہیں۔ عبداللہ حسین ایسے لوگوں کی جہالت پر بڑا لطیف طنز کرتے ہیں۔

> "مسجد کے اندر عورتوں کے داخلے پر قانوناً پابندی تو نہ تھی، مگر چونکہ عورت کی پاکی ناپاکی کا پتا چلانا مشکل کام ہے اور اس کا اپنا بیان مستند نہیں ہوتا، اس لیے وہ روایتاً مسجد میں داخل نہ ہوتی تھیں اور نہ ہی نماز باجماعت میں شریک ہو سکتی تھیں۔"(2)

دیہی سماج کی مذہبی پسماندگی کا یہ حال ہے کہ عورت کرامت علی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے جبکہ خود کرامت علی عورت کو مسجد میں دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ وہ بلا سوچے سمجھے بچے کو پھونکیں مارنے لگتا ہے اور عورت کو سجدے سے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آتا آخر کرامت علی شاہ شدید غصے میں آ کر دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر اس زور سے مسجد کے فرش پر مارتا ہے کہ زمین ہل جاتی ہے، اس پر عورت فوراً سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے اور بچہ جو سانس کا مریض ہوتا ہے روتے

Vol 4No.2 2020
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ہوئے تیز تیز سانس لینے لگتا ہے۔ یہ پہلا واقعہ تھا جس نے کرامت علی کو "سائیں کرامت علی" بنا دیا۔ اس واقعے میں کرامت علی کا شعوری عمل دخل بالکل بھی نہیں تھا۔ کرامت علی کے سامنے بچے کا تندرست ہو جانا محض اتفاق تھا جسے گاؤں کی سادہ لوح عورتوں نے "کرامت" قرار دے دیا۔ دیہی سماج کی عکاسی میں عبداللہ حسین کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ "قید" میں بھی انہوں نے پاکستان کے دیہی سماج کو پوری فنی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ گاؤں کی ناخواندہ عورتیں اس اتفاقیہ طور پر پیش آجانے والے واقعہ کے بعد جس طرح کرامت علی کی گرویدہ ہو جاتی ہیں اس کا نقشہ عبداللہ حسین نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔

"عورتیں بچوں کو، بوڑھوں کو، بیماروں کو جن بھوت کے سائے والوں کو، بے انتہا بھاری بدن والوں اور سوکھے کے مریضوں کو، حادثے کے شکار لوگوں اور ان کی جن کی ہڈیاں ٹوٹ کر ٹیڑھی میڑھی جڑی تھیں، پیدائشی ناقص دماغ والوں کو اور سیدھے سادھے بیوقوفوں کو غرض کہ ہر قسم کی علت رکھنے والے لوگوں کو لئے چلی آنے لگیں۔"(3)

کرامت علی کے دل میں ابھی خوف خدا موجود ہے، وہ ان جاہل عقیدت مندوں کو خود سے دور کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کچھ پڑھے لوگوں کو پھونکے مارنے لگتا ہے، اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ درشتی سے پیش آتا ہے، نماز ترک کر کے ننگے سائیں کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ ہر تدبیر کا اثر اُلٹ ہوتا ہے اور لوگ کرامت علی کی اس "شان بے نیازی" کے اور زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں اور اسے "خدا بابا پیر و مرشد" کے نام سے یاد کرنے لگتے ہیں۔ فقیروں اور ملنگوں کے ذریعے کرامت علی کی شہرت اپنے گاؤں سے نکل کر دوسرے گاؤں بھی پہنچ جاتی ہے جس کے بعد گاؤں کے پڑھے لکھے اور امیر لوگ بھی کرامت علی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس کے گھر نذر و نیاز کے ساتھ ساتھ جنس کی بوریاں بھی بھیجتے ہیں۔ بڑھتے ہوئے مریدوں اور بوریوں کو سنبھالنے کے لیے کرامت علی مسجد چھوڑ کر اپنا ڈیرہ آباد کرتا ہے۔ ویسے بھی یاد خدا اور نام خدا صرف برائے نام ہی اس کی زبان پر رہ گیا تھا۔ اپنا ڈیرہ آباد کرنے کے بعد وہ "سائیں" کا لقب ترک کر دیتا ہے۔

"کچھ لوگوں نے اس کی جگہ پر سیّد لگانے کی سعی کی مگر کرامت علی نے کہہ دیا کہ وہ چوہان ہے، آل رسول کیسے بن جائے، لفظ شاہ اس نے ایک اعزازی لقب کے طور پر نام کے ساتھ لگانے کی اجازت دے دی تھی لہٰذا یہ اضافت قائم رہی۔"(4)

Vol 4No.2 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اپنے ذاتی ڈیرے پر منتقل ہونے کے بعد کرامت علی شعوری طور پر لوگوں کا روحانی پیشوا بن کر ناخواندہ دیہاتیوں کے مال و دولت کے ساتھ ساتھ ان کی عزت و ناموس سے بھی کھیلواڑ شروع کر دیتا ہے، وہ شریعت اسلامیہ کی ظاہری پابندیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ نماز، روزہ، تہجد اور تسبیح اس کی زندگی سے نکل جاتے ہیں اور دموں کی بے حساب پھونکوں سے ہی وہ اپنے عقیدت مندوں کو مطمئن کرنے لگتا ہے۔ اس کے عوامل میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اب کرامت علی شاہ جیسے خود لوگوں نے ہی بزرگی کا چولا پہنا دیا تھا اس بات سے بخوبی واقف ہو چکا ہے کہ کس طرح ان جاہل اور ضعیف الاعتقاد لوگوں پر اپنی ولایت کا رعب ڈالنا ہے۔ اب وہ دموں کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے کام شروع کرتا ہے مثلاً جوڑوں کے درد کے لیے کلائی اور ٹخنے پر باندھنے کا دھاگا، نظر بد اور جن کے سائے سے نکلنے کے واسطے تعویز، بدروح سے بچاؤں کا عمل، فال نکالنا، مقدمے میں کامیابی کے لیے دعا، محبوب کو زیر کرنے کے لیے ورد اور دشمن کو تباہ کرنے کے لیے گنڈے وغیرہ۔ ان تمام کاموں کے ذریعے کرامت علی لوگوں پر اپنی ولایت اور روحانیت کی دھاک بٹھانے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف کسانوں کی اس بد اعتقادی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ”چونکہ سندھ اور پنجاب کے ناخواندہ کسانوں اور زمینداروں کے درمیان بد اعتقادی بہت زیادہ ہے اس لیے آس پاس کے گاؤں کے باشندے کرامت علی شاہ کی عام حرکات اور اتفاقاً پیش آنے والے واقعات کی بناء پر خواہ مخواہ اس کو عظمت اور برتری کا چولا پہننے پر مجبور کر دیتے ہیں اور اس کا ”سلسلہ کرامتیہ“ غریبی اور جہالت کی گرفت میں سسک رہے اس دیہی معاشرے میں زبردست ترقی اور خوشحالی حاصل کر لیتا ہے۔“(5)

مریدوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ ساتھ کرامت علی کو ملنے والی نذر و نیاز میں بھی بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب وہ شعوری طور پر لوگوں کو لوٹ رہا ہے اس لیے کرامت علی کے گھر میں مال و دولت اور دیگر سامان کے انبار لگ جاتے ہیں۔

> ”جیسے لنگر کے بعد جنس کی بوریاں وارد ہوئی تھیں، اب ان کے پیچھے کپڑے لتّے، ریشم کی چادریں، برتن، گھریلو سامان یعنی میزیں کرسیاں، رنگین پلنگ، نواڑ، گاؤ تکیے، دریاں قالین اور آخر میں پیسوں کی رقمیں آنے لگیں۔“(6)

عقیدت مندوں کی طرف سے دی جانے والی ان چیزوں سے کرامت علی شاہ بہت خوشحال ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ضعیف الاعتقاد دیہاتی اس مذہبی استحصال کی وجہ سے دن بدن غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کرامت علی جیسے نام نہاد پیروں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> "یہ لوگ اس ضعیف الاعتقادی کی بنا پر مالا مال ہو جاتے ہیں اور گدی نشینی کا سلسلہ مستحکم ہو جاتا ہے۔عام طور پر یہ لوگ اسمبلیوں کے ممبران، فوجی، لوگوں اور بااثر جاگیر داروں اور جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے دائرہ اثر میں لے آتے ہیں اور خود بھی جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ دینی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ روحانی شخصیت کے بجائے مادیت پرست اور اسلامی شعائر کی مخالف سمت میں چلنے والے لوگ ہوتے ہیں۔"(7)

کرامت علی شاہ کی نام نہاد پیری فقیری اس وقت اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے جب وہ استخارے کا عمل شروع کرتا ہے اور رحمت علی چوہان کو اولاد نرینہ کی خوشخبری سناتا ہے۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ رحمت علی کے بیٹا پیدا ہوتا ہے۔بس پھر کیا تھا کہ کرامت علی کی "ولایت" کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا اور سادہ لوح دیہاتی خاص کر عورتیں اس کی قائل ہو گئیں کہ کرامت علی اولاد دینے کا حق بھی محفوظ رکھتا ہے۔بیٹے کی خوشی میں رحمت علی کرامت علی شاہ کو دو مربعے زمین دیتا ہے اور اس کی خواہش پر کرامت علی موضع رکھوال سے کچا کھوہ پر نئے ڈیرے میں منتقل ہو جاتا ہے اور مخالفین کا منہ بند کرنے کے لیے لوگوں سے اپنی بیعت کرواتا ہے اور "مرید بھی یہاں اور مرشد بھی اللہ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں"(8) کہہ کر بنا کسی مرشد کے اپنی بیعت کا سلسلہ شروع کروا کر باقاعدہ طور پر "سلسلہ کرامتیہ" کی بنیاد رکھتا ہے۔اس کے بعد اپنی آخرت میں بہتری کے لیے بھی لوگ کرامت علی شاہ کے حضور حاضری دینے لگتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ کرامت علی شاہ کے ڈیرے کے باہر لگے بورڈ پر تحریر عبارت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے جو اس کی روز افزوں بڑھتی ہوئی روحانی ترقی کو ظاہر کرتی ہے۔جب کرامت علی شاہ موضع رکھوال سے کچا کھوہ منتقل ہوا تو بورڈ پر یہ تحریر رقم تھی "ڈیرہ پیر کرامت علی شاہ، موضع کچا کھوہ، تحصیل لاہور، ضلع پنجاب"(9)۔کچھ عرصہ بعد وہ سلسلہ کرامتیہ کا آغاز کرتا ہے تو بورڈ کی عبارت بھی تبدیل کر دی جاتی ہے۔"ڈیرہ پیر کرامت علی شاہ سلسلہ کرامتیہ، موضع کچا کھوہ، ضلع لاہور"(10)۔اس کے بعد جب کرامت علی شاہ اپنے آپ کو کپڑوں کی قید سے آزاد کر کے صرف ایک چادر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے تو بورڈ پر یہ عبارت لکھ دی جاتی ہے۔"حجرہ پاک حضرت پیر کرامت علی شاہ بُراقی عرف بابا چدّر پوش بانی گدّی شریف کچا کھوہ، سلسلہ کرامتیہ، موضع کچا کھوہ پنجاب"(11)۔ پھر جب اس کے حلقۂ ارادت میں فوج کے جنرل، بریگیڈیئر اور کرنل شامل ہو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

جاتے ہیں تو اس بورڈ پر یہ تحریر نظر آتی ہے۔ ”دربار شریف حضرت پیر کرامت علی شاہ بُراقی المعروف باباچدّر والے، گدّی سلسلہ کرامتیہ“(12)

پاکستانی معاشرے میں مذہب سے دوری کے باعث لوگ کس طرح ان جعلی پیروں کے اسیر ہو کر اپنا سب کچھ ان پر نثار کر دیتے ہیں اس کا اندازہ ناول میں موجود اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ نہ صرف ان پڑھ اور جاہل دیہاتی کرامت علی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں بلکہ وقت گزررنے کے ساتھ ساتھ شہروں کے پڑھے لکھے مرد وخواتین بھی اس کے دام فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کرامت علی کے پاس ایسی پڑھی لکھی اور فیشن ایبل عورتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے جو اولاد کے حصول کے لیے اس سے استخارہ کرواتی ہیں اور بدلے میں بھاری رقم اور زیورات ”شاہ صاحب“ کے قدموں میں نچھاور کر کے گھروں کو لوٹتی ہیں۔ کرامت علی اشرافیہ کے اس طبقہ سے بڑے مہذب انداز میں اردو اور انگلش میں گفتگو کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

> ”ان لوگوں نے پہلے کسی دیہات میں بیٹھا ہوا کوئی ایسا پیر نہ دیکھا تھا جو انگریزی اور اُردو میں شستہ گفتگو کرتا، ملک کے سیاسی اور مجلسی حالات پر نہایت شگفتہ مگر جچے تلے اور مرعوب کن لہجے میں تبادلۂ خیال کرتا، انگریزی اور اردو کے اخبار پڑھتا اور غیر ممالک تک کے حالات کے حوالے دیتا۔“(12)

اس نام نہاد پیری فقیری کا ایک گھناؤنا پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب کرامت علی شاہ کے مقابلے میں جسامت علی شاہ اپنے حلقے کی حفاظت کی خاطر میدان میں اترتا ہے۔ دونوں ”شاہ صاحبان“ میں علاقے اور مریدوں کی تقسیم کا تنازعہ شدت اختیار کر لیتا ہے تو دونوں طرف کے مرید ”جذبۂ ایمان“ سے سرشار ہو کر لڑائی کے لیے آمنے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ عین وقت پر پولیس آ کر معاملہ رفع دفع کرا دیتی ہے۔ بعد میں ایک بڑا زمیندار دونوں ”پیر صاحبان“ کے درمیان صلح کروا دیتا ہے۔ اس طرح دونوں پیروں کے علاقوں کے ساتھ ساتھ ان کے مریدوں کا بھی بٹوارہ ہو جاتا ہے۔ عوام کی عقیدت کے نام پر جہالت اور اندھی تقلید کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ پیر صاحبان کے درمیان ہونے والی لڑائی جھگڑے کے بعد اُن کے مریدوں کی تعداد میں کمی ہونے کی بجائے مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جرنیل، بریگیڈیئر اور کرنل بھی کرامت علی شاہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی گدّی کو پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

”عبداللہ حسین کا یہ ناول پاکستان میں جاگیرداری اور فوجی آمریت کے شانہ بشانہ فروغ پانے والے پیری مریدی کے کاروبار کی تفصیلات پیش کرتا ہے کہ ہوس زر اور ہوس اقتدار کے زیر اثر یہ نام نہاد سائیں، پیر اور مرشد کس طرح طریقت اور مذہبی ٹونے ٹوٹکوں کی آڑ میں سارے معاشرے کو اپنے حلقۂ اثر میں قید کئے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے شخصی مناقشات سے بچنے کے لیے اپنے علاقے تقسیم کر لیے ہیں، اسی لیے سلامت علی شاہ اپنے حلقہ کے نواحی علاقوں کو اپنی Constituency کہتا ہے۔“(14)

ناول کا ایک اہم واقعہ صاحبزادہ سلامت علی شاہ کی کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لاہور سے رکھوال واپسی کا ہے۔ کالج جانے سے پہلے وہ مٹھو چک کی نسرین نامی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہاں سماجی اونچ نیچ اور ذات برادری کی قید آڑے آتی ہے اور کرامت علی شاہ برادری میں عزت بچانے اور اپنی گدّی کی حفاظت کے پیش نظر بیٹے کو نسرین سے کسی بھی قسم کا رابطہ رکھنے سے سختی سے منع کر دیتا ہے کیونکہ ارائیں قوم کی لڑکی کسی بھی طرح چوہان برادری کی بہو نہیں بن سکتی تھی۔ واپسی پر مٹھو چک کا نام سن کر اسے نسرین کی بھولی بسری محبت اچانک یاد آنے لگتی ہے۔ گاؤں کے سادہ لوح کسان سلامت علی کو بڑی عقیدت سے ملتے ہیں اور اسے آخرت میں اپنا نجات دہندہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس زمین سے ایک خاص طرح کی لگن محسوس کرتا ہے اور حیران بھی ہوتا ہے کہ اس لگن کی وجہ کیا ہے کیونکہ غریب کسانوں کی سسکتی اور بلکتی ہوئی زندگی کسی طرح بھی اس لائق قرار نہیں دی جاسکتی کہ اس سے کوئی باشعور انسان لگاؤ محسوس کرے۔ عبداللہ حسین نے اس علاقے میں، جو کرامت علی شاہ کا حلقۂ ارادت ہے، غریب کسانوں کی کسمپرسی کا نقشہ بڑے مؤثر انداز میں کھینچا ہے۔ یہ وہ سادہ لوح دیہاتی ہیں جن کا نہ صرف معاشرتی و سماجی استحصال کیا جارہا ہے بلکہ یہ لوگ مذہبی استحصال کا بھی شکار ہیں۔

”یہ سرزمین جس کی گلیوں میں کوڑے کے ڈھیر لگے ہیں، انواع واقسام کے کھانوں پہ مکھیاں بیٹھا کرتی ہیں جو لوگوں کی غذا کا حصہ بنتی ہے، جہاں اسّی اسّی سالہ سایہ دار درخت کاٹ کر گرا دیئے جاتے ہیں اور میلوں تک سبزے کا نشان نہیں ملتا، جہاں گرد حیوان و مکان کے خفیہ ترین سوراخوں میں داخل ہو کر جم جاتی ہے۔“(15)

پاکستان کے غریب اور مظلوم عوام کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ وہ اپنی سادہ لوحی، جہالت، معصومیت اور مذہب سے دوری کے باعث کرامت علی جیسے شعبدہ بازوں کے فوراً اسیر ہو جاتے ہیں اور غریب عوام جن کا سب سے بڑا جرم ان کی جہالت اور اندھی تقلید ہے دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی ان نام نہاد پیروں کو اپنا والی وارث سمجھتے ہیں اور اپنا تن من دھن ان پر نچھاور کرنے کو ہمہ وقت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تیار رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا چھوٹا موٹا سرمایہ اور آمدنی ان کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں ان سادہ لوح عوام کی غربت اور کسمپرسی کے ساتھ ساتھ ان کے "والی وارثوں" کی امارت اور شان و شوکت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سلامت علی گھر پہنچ کر ماں سے ملنے کے بعد باپ کو سلام کرنے اس کے حجرے کی طرف چل پڑتا ہے۔ حجرے کے دروازے میں داخل ہوتے ہی جو منظر اسے دیکھنے کو ملتا ہے وہ اس نام نہاد پیری فقیری کے مکروہ کاروبار کی قلعی کھول کر رکھ دیتا ہے۔

"پیر کرامت علی شاہ کے سامنے ایک الف ننگا بدن لاش کی صورت زمین پر سیدھا پڑا تھا۔ پیر صاحب اکڑوں بیٹھے اس بدن پر سر سے لے کر پاؤں تک ہَولے ہَولے اپنا ہاتھ پھیرے جا رہے تھے، اور ساتھ ساتھ حلق اور ناک کے اندر سے وہی پرانی لمبی لَے والی گنگناتی ہوئی آواز پیدا کئے جاتے تھے جیسے ورد میں مصروف ہوں یا کوئی فریاد کر رہے ہوں۔"(16)

پاکستان کے دیہی معاشرے میں کرامت علی شاہ جیسے خود ساختہ پیروں کی کارستانیوں کو عبداللہ حسین نے "قید" میں بڑے محتاط انداز میں فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے پیش کیا ہے۔ ہمارے دیہاتوں میں آج بھی ایسے نام نہاد پیروں کی کمی نہیں جو لوگوں کی عزت و ناموس کے ساتھ ساتھ مذہب کی آڑ میں غیر انسانی کھیل رچائے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے اس حوالے سے بڑی خوبصورت رائے پیش کی ہے وہ کرامت علی شاہ جیسے نام نہاد پیروں کو "غیر روحانی لوگ" قرار دیتے ہیں جو نہ صرف سماج اور روحانیت بلکہ مذہب کے نام پر بھی کلنک کا ٹیکا ہیں۔

"یہاں پیری مریدی کے روحانی پہلو نہیں بلکہ مجرمانہ پہلو پیش نظر ہیں کہ کس طرح غیر روحانی لوگ جو یقیناً بے علم فقیروں کی طرح کافر ہو کر مرتے ہیں اور اپنا چولا بدل کر پیروں کا روپ دھار کر مخلوق خدا کو ضعیف الاعتقادی اور مہلک قسم کے جہل میں مبتلا کر کے ان کا راستہ کھوٹا کرتے ہیں اور پھر جب ایک پیر مر جاتا ہے تو کس طرح دوسرا مضحکہ خیز روایتی رسوم کے سہارے سے گدّی نشین ہو کر ایک اعلیٰ روحانی شخصیت بنتا ہے اور فوجیوں، سیاسی لوگوں اور جرائم پیشہ افراد کی مدد سے اپنے لیے تحفظ کا سامان پیدا کرتا ہے۔"(17)

سلامت علی شاہ اپنے باپ کو اس حالت میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا مگر اس وقت وہ صرف نو برس کا تھا۔ اس وقت وہ اس منظر کے اسرار و رموز سمجھنے سے قاصر تھا۔ اب کی بار وہ اس معاملے کی نوعیت کو بہتر انداز میں سمجھ سکتا ہے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے

Vol 4No.2 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

بے تاب ہے۔ کرامت علی شاہ اس عمل کو استخارہ قرار دیتا ہے۔ استخارے کا یہ عمل وہ بانجھ عورتوں کے برہنہ جسم پر کرتا ہے۔ اس بار استخارہ کروانے والی عورت نسرین ہے۔ سلامت علی کے استفسار پر کرامت علی اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے کہ کس طرح وہ اپنی جیل کی ملازمت کے دوران جنسی صلاحیت سے محروم ہو گیا تھا۔ جس کے بعد وہ عورتوں سے ہم بستری کرنے کی بجائے ان کے برہنہ جسموں پر ہاتھ پھیر کر ہوس براری کرتا ہے۔ اس مکروہ فعل کو اس نے استخارہ کا نام دے رکھا ہے۔ اس کے کچھ دن بعد کرامت علی شاہ اپنے حجرے میں مردہ پایا جاتا ہے۔ اسی دن سائیں نانگا بھی وفات پا جاتا ہے۔ کرامت علی کے مرنے کے بعد سلامت علی شاہ "سلسلہ کرامتیہ" کا گدّی نشین بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک نئی نسل اقتدار کے ساتھ ساتھ عوام کے مذہبی اور سماجی استحصال کے کھیل میں شریک ہو جاتی ہے۔ اب کی بار اس کھیل میں استعمال ہونے والے ہتھیار اور حکمتِ عملی مختلف ہے۔ سلامت علی شاہ سب سے پہلے "سلسلہ کرامتیہ" کا خاص نشان اور دستار بنواتا ہے اور پھر باقاعدہ طور پر اس کی دستار بندی کی رسم ہوتی ہے۔ وہ ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کو اپنا مشیر خصوصی بناتا ہے اور پورے ملک میں اپنا نیٹ ورک قائم کرنے کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ اس طرح عوام کا استحصال کرنے کی یہ روش ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہو جاتی ہے اور کمزور و ناتواں، جاہل اور غریب عوام کبھی بھی معاشرے میں اپنی حیثیت کا تعین نہیں کر پاتی۔ محمد عاصم بٹ "قید" کو عبداللہ حسین کے دیگر ناولوں سے منفرد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "قید کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے بہت کھلے انداز میں ہمارے سماج میں موجود پیری فقیری کے انسٹی ٹیوٹ کو ہدف تنقید بنایا ہے اور اسے بیوروکریسی، فوج اور سیاست جیسے اداروں سے گٹھ جوڑ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ کیسے یہ سبھی اقتدار کی خواہش میں کام کرنے والے ادارے ایک دوسرے سے ملی بھگت کرتے ہیں اور عوام سے دھوکہ دہی کی بنیاد پر قائم ہیں اور لوگوں کا استحصال کر رہے ہیں۔"(18)

"قید" کے اس مطالعہ کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ عبداللہ حسین نے اس مختصر سے ناول میں پاکستانی معاشرے کے مختلف مسائل کی جاندار عکاسی کی ہے۔ دیہی سماج میں کسانوں کی زندگی کے بیان پر انہیں غیر معمولی دسترس حاصل ہے۔ "قید" میں مذہب اور روحانیت کی آڑ میں پیری فقیری کے بدبودار کاروبار کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وطن عزیز میں پیر کرامت علی شاہ، پیر جسامت علی شاہ اور سجادہ نشین سلامت علی شاہ جیسے خود ساختہ روحانی ٹھیکہ داروں کی کمی نہیں ہے۔ یہ لوگ ایک طرف عوام کی جہالت اور سادگی کا فائدہ اٹھا کر ان کا مذہبی و سماجی استحصال کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام اور روحانیت کے نام کو بھی داغ دار

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ عبد اللہ حسین نے اس اہم سماجی مسئلے کو پوری جزئیات کے ساتھ کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ اپنے اختصار کے باوجود "قید" ایک اہم سماجی ناول ہے جس میں پاکستان معاشرہ اپنے سماجی تضادات کے ساتھ بھرپور انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ رضی عابدی، تین ناول نگار، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، 2010ء، ص134

2۔ عبد اللہ حسین، قید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص45

3۔ ایضاً ص46

4۔ ایضاً ص47، 48

5۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، 2005ء، ص105

6۔ عبد اللہ حسین، قید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص48

7۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول، انجمنِ ترقی اردو پاکستان، کراچی، 2008ء، ص163

8۔ عبد اللہ حسین، قید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص53

9۔ ایضاً ص52

10۔ ایضاً ص53

11۔ ایضاً ص56

12۔ ایضاً ص58

13۔ ایضاً ص54

14۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، 2005ء، ص107

15۔ عبد اللہ حسین، قید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص67

16۔ ایضاً ص70، 69

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

17۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، فکشن ہاؤس، لاہور، 2012ء، ص178

18۔ محمد عاصم بٹ، عبداللہ حسین: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2008ء، ص79